رومانیت ۔۔۔ایک رجحان یا تحریک

شازیہ رزاق

Abstract:

In urdu literature romanticism is being called a literery movement in varios books of literature and criticism. In this article i have proved by reasons that romanticism is a trend not a movement in Urdu literature. In this perspective ,i have also defined the differance of trend ,movement and Ism so that we could examine the true picture

تحریک کی بنیاد تحرک اور تحرک کسی محرک کا نتیجہ۔محرک کوئی خیال ہوتا ہے یا کوئی جذبہ، یہ خیال اور جذبہ کسی تجربے، مشاہدے یا مطالعے کا حاصل ہوتا ہے چنانچہ ہر تحریک کے پیچھے کوئی خیال یا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ خیال اور جذبے کا واسطہ شعور و لاشعور سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی تغیرات شعور و لاشعور کی سطح پر وارد ہوکر خیال اور جذبے کو متاثر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کا کہنا ہے:

> ''تحریک جمود کی یک رنگی کو توڑ کر ہمہ رنگی اور تنوع پیدا کرنے کا عمل ہے...... جمود کا تعلق ٹھہراؤ، یکسانیت اور کہنگی کے ساتھ ہے جب کہ حرکت زندگی کی کشتی کو کھلے پانیوں کی سیر کراتی ہے اور اسے نئے جزیروں کی سیاحت پر آمادہ کرتی ہے۔''حرکت کا یہ عمل بالعموم اس وقت شروع ہوتا ہے جب حالت جمود اپنی انتہا کو پہنچ کر تحریک اور برانگیختی کے عمل کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے''............'' (۱)

بلاشبہ انسان یکسانیت سے جلد ہی بیزار ہو جاتا ہے اور خوب سے خوب تر کی جستجو اسے نئے افق اور نئے امکانات کی سراغ رسانی میں مشغول رکھتی ہے لیکن راقمہ کے نزدیک یکسانیت سے کہیں زیادہ ''پابندی'' انسان کو حرکت پر اکساتی ہے۔ اس کا سبب اس کی فطرت ہے جو ازل ہی سے آزادی پسند کرتی ہے۔ انسان کی تخلیق سے

پہلے کائنات ایک اصول کی پابند تھی، جس میں تبدیلی پر صرف خدا کو قدرت حاصل تھی، نوری اور ناری مخلوق اپنے اپنے دائرہ کار کی پابند، صرف اور صرف خدا کی عبادت کے لیے مخصوص تھی۔ آدم کی تخلیق دراصل اس پابندی پر لگنے والی حرکت کی ایسی ضرب تھی جس کا تعلق اس جذبے سے تھا جو عشق رسولﷺ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ محبت کا یہی جذبہ خدا کی مخلوق میں بھی حرکت و تغیر کا بنیادی محرک بنا۔ اس جذبے نے تخلیق آدم کے خیال کو جنم دیا اور اس خیال نے ''کُن'' کے ذریعے کائنات کو تحریک سے آشنا کیا۔ گویا محبت وہ صفت خداوندی ہے جو آزادی کو پسند کرتی ہے اور اسی لیے خدا نے ایک آدم میں نور اور نار، خیر اور شر کے امتزاج کو قائم رکھتے ہوئے اسے اپنے فکر وعمل میں آزادی عطا کی۔ فکر وعمل کے حوالے سے انسان نے جب بھی اپنے جذبے کو پابند پایا اس نے اپنے ردعمل کا مظاہرہ ضرور کیا۔ حتیٰ کہ ''تقدیر'' کی پابندی کے خلاف ''تدبیر'' کا راستہ نکالا، انسان تو انسان خود خدا نے اپنی تخلیق کی سرشت کو پہچانتے ہوئے اسے ''دعا'' کے ذریعے تقدیر کے بدلنے کی آزادی عطا کی۔

انسانی زندگی کی ارتقا کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہی ''مجبوری'' اور ''مختاری'' مختلف تغیرات، انقلابات، اختراعات اور ایجادات کی بنیاد بنی۔ انسان نے جب اور جہاں خود کو مجبور اور پابند دیکھا وہاں اختیار کے حصول کے لیے حرکت پر آمادہ ہوا۔ لہٰذا تحریک پابندی مٹانے اور اختیار پانے کا عمل ہے۔ قدرتی آفات اسی ''اختیار'' کی علامت ہیں جو انسان کی زندگی کو تبدیل کر دینے اور اسے تحریک دینے پر قادر ہے۔ دراصل انسان جس شے سے محبت کرتا ہے اس پر اختیار حاصل کرنا چاہتا ہے کیوں کہ یہ جذبہ پابندی سے ماورا ہوتا ہے اس لیے اختیار کی خواہش تحریک کو جنم دیتی ہے۔

جب ہم اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ کائنات کو ثبات نہیں اور وقت کی طرح زندگی مسلسل حرکت میں ہے تو یہ کہنا کہ زندگی پر جمود طاری ہو گیا درست نہیں کیوں کہ زندگی تو مسلسل رواں ہے البتہ جذبے اور خیالات ضرور کہنہ ہو جاتے ہیں مگر جامد نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ ہر جدت کی بنیاد کہنگی پر ہوتی ہے۔ انفرادی سطح پر کوئی جذبہ یا احساس کسی خیال یا تصور کو جنم دیتا ہے اور پھر اس خیال یا تصور سے عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اگر اس طرز عمل یا طرز فکر کو کچھ اور لوگ بھی اپنا لیں تو وہ رجحان بن جاتا ہے اور جب کوئی رجحان لوگوں کے ایک وسیع گروہ کو منظّم صورت میں اپنی گرفت میں لے لے تو تحریک وجود میں آتی ہے۔ زندگی میں جذبہ سے خیال، خیال سے رجحان اور رجحان سے تحریک کا دائرہ وقت کے پہیے کی طرح مسلسل گھومتا رہتا ہے۔ انسان کا داخل اور خارج ایک دوسرے سے تابع ہے اور ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوتا ہے چونکہ انسانی زندگی کیا، تخلیق کائنات میں بھی اوّلیت جذبہ کو حاصل ہے۔ اس لیے جذبے سے خیال خیال سے رجحان اور رجحان سے تحریک اور پھر تحریک کے ردعمل میں کسی جذبہ کا جنم، یہ سلسلہ یونہی جاری وساری رہتا ہے اسی میں زندگی کا حسن بھی پوشیدہ ہے۔

ادب کے حوالے سے اس دائرے کی وضاحت ناگزیر ہے کہ ہمارے ہاں مغربی ادب کی اندھا دھند پیروی اور نقل میں شعوری یا لاشعوری طور پر بعض الفاظ اور اصطلاحات غلط طریقے سے رائج ہو گئے ہیں جس کا سبب مترجم اور غیر محتاط اور غیر معروضی طرز عمل ہے کیوں کہ جب کوئی انگریزی لفظ کا ترجمہ اردو میں کرتا ہے تو اس لفظ کی

ساکھ اور اس کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کے حوالے سے غیر محتاط اور غیر سنجیدہ اندز فکر دیکھنے میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رجحان اور تحریک کے فرق کو مٹا دیتا ہے اور خاص طور پر 'ازم' کے حوالے سے کئی ایسی تحریکوں کو سامنے لایا جاتا ہے جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہ تھا۔

راقمہ اس حوالے سے 'ISM' (ازم) Trend (رجحان) اور Movement (تحریک) کے فرق کو واضح کر دینا چاہتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے خود لکھا ہے:

> ''تغیر کی خواہش اگر ایک عام فرد تک محدود رہے تو اسے چنداں اہم نہیں سمجھا جاتا تاہم اگر اس خواہش کی تکرار لاشعوری طور پر ادب اور شعراء کی تخلیقات میں بھی ہونے لگے تو اسے بالعموم رجحان کا نام دیا جاتا ہے۔''

جب کہ آگے چل کر وہ خسرو، اقبال اور ولی دکنی کو باقاعدہ ایک تحریک کہتے ہیں۔ اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود ان پر تحریک کا مفہوم واضح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مقالے میں رجحانات اور تحریکوں کا فرق واضح نہیں ہو پاتا اور وہ رجحانات کو بھی تحریکوں کی حیثیت سے بیان کر دیتے ہیں شاید اسی کو بنیاد بنا کر ہمارے بیشتر ناقدین مختلف تحریکات کے حوالے سے مقالات و کتابیات تصنیف کرتے رہے ہیں جب کہ راقمہ کا موقف یہ ہے کہ تحریک ایک متحدہ گروہ کی کاوش ہے جو کسی خاص مقصد اور منشور کے ساتھ وجود میں آتی ہے خواہ وہ سیاسی ہو یا ادبی۔ انور سدید نے صفحہ نمبر ۶۵ پر لکھا ہے۔

سیاسی تحریک اور ادبی تحریک میں فرق بنیادی نوعیت کا ہے سیاسی تحریک چونکہ فرد کی سماجی حالت کو بدلنے کی دعویدار ہے اس لیے وہ ایک خاص منشور پر جو بالعموم عوام کی توقعات سے بھی کہیں زیادہ بلند دعاوی پیش کرتا ہے، عمل کرتی ہے اس کے برعکس ادبی تحریک فرد اور معاشرے کو داخلی طور پر توانائی عطا کر کے اس کے کھردرے جذبات کی تطہیر کرتی ہے اس لیے اس کے سامنے کوئی لکھا ہوا دستور العمل نہیں ہوتا۔ یوں بھی بقول مجتبیٰ حسین ''سماجی زندگی ایک مسلسل منشور ہے اور ہر ادیب کے پاس برطانوی دستور کی طرح ایک غیر تحریری دستور ہوتا ہے جس سے اس کی فکر مرتب ہوتی ہے۔

صفحہ نمبر ۴۴-۴۵ پر ان کا کہنا ہے کہ ایک عام فرد تک محدود رہے (تغیر کی خواہش) تو اس کو اہم نہیں سمجھا جاتا اور صفحہ ۶۵ پر لکھتے ہیں کہ ہر ادیب کے پاس ایک غیر تحریری دستور ہوتا ہے جس سے اس کی فکر مرتب ہوتی ہے۔

ان باتوں سے یوں لگتا ہے کہ انور سدید جو لکھنا چاہ رہے ہیں شاید ان پر بھی واضح نہیں کیوں کہ اگر ایک فرد واحد خواہ وہ ادیب ہو اپنی خواہش کے حوالے سے اجتماع کا محتاج ہے تو پھر ادبی تحریک انفرادی نوعیت کی کیسے ہو سکتی ہے اور آیا اسے تحریک کہنا درست ہے؟

تحریک کے لیے لوگوں کا ایک متحدہ گروہ ضروری ہے جو ایک مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہو اور اس

مقصد یا منشور کی تحریرصورت اسے اور بھی مضبوط بنا دیتی ہے۔ ویسے بھی جب ادب زندگی کا ترجمان ہے تو سیاست کو ادب سے الگ کیسے کہا جا سکتا ہے پھر بہت سی سیاسی تحریکات یا معاشرتی تحریکات نے ادب کو براہِ راست یا بالواسطہ متاثر کیا بلکہ ادب کو سیاسی تحریکوں کے مقاصد کے لیے استعمال بھی کیا گیا یہاں تک کہ ادب کے ذریعے معاشرتی انقلابات بھی رونما ہوئے۔ بہرحال یہ ایک خاصی طویل بحث ہے۔ سردست یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تحریک خواہ سیاسی ہو یا ادبی خاص مقصد کے تحت متحدہ لوگوں کی سوچی سمجھی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہے جب کہ رجحان شعوری یا لاشعوری طور پر افراد میں یا معاشرے میں پنپتا ہے یا دیگر ازمز، کسی خاص طرزِعمل یا طرزِفکر کی نمائندہ ہیں اگر میں چند جملوں میں اس فرق کو بتانا چاہوں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'ازم' ایک طرزِعمل یا حالت، اصول، نظام یا عقیدہ ہے Trend دراصل وہ جھکاؤ ہے جو کسی طرزِعمل، اصول، عقیدہ یا نظام اور رجحان کی بنیاد کی جانب ہوتا ہے اور Movement یا تحریک کسی متحدہ گروہ کا کسی خاص مقصد کے لیے حرکت یا عمل کرنا ہے۔ اس تعلق کو اس نقشے سے بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔

Ism —> Trend —> Movement

ازم سے Trend وجود میں آتا ہے اور پھر کوئی Movement

Ism —> Trend —> Movement

Trend کسی عقیدہ، خیال یا نظام کی طرف جھکنا ہے جو بعض اوقات تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

یہ تینوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بھی ہیں اور معنوی حوالے سے ایک دوسرے سے الگ بھی ہیں۔

ازم:

اسم: کوئی خاص مسلک، نظریہ، عقیدہ، اصول

لاحقہ: اسمائے کیفیت بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے

(۱) حاصل مصدر مثلاً Baplism وہ اسماء جن سے طرزِعمل یا حالت ظاہر ہو۔ (۲)

ازم: n: بول چال: کوئی خاص مسلک یا نظریہ۔
کوئی تحریک، کوئی عقیدہ

Suffix: لاحقہ اسمائے کیفیت بنانے کے لئے (۳)

Ism (iz'am)

1.The act, practice or result of (4)

Ism: noun

(usually disopproving) used to refer to a set of ideas or system of beliefs or behaviour.

ism suffix (in noun) The action or result of:

Criticism: The state or quality of: heraism

The teaching, system or movement of Buddhism. unfair treatment or hatred for the reason mentioned: racism. a feature of language of the type mentioned.

Americanism. (5)

رجحان: میلان، توجہ (۶)

Trend: اسم: عمومی روش، رجحان، جھکاؤ، رخ
(حالات خیالات یا ذوق وغیرہ کا)
فعل: کسی فعل خاص سمت میں لڑنا، جھکنا، مایل ہونا
کوئی مستقل رجحان ذوق یا روش رکھنا (۷)

Trend: (noun)

a general direction in which a situation is changing or developing. (8)

Movement : ۱۔حرکت جنبش ۲۔کسی کل کے چلنے والے متحرک پرزے
۳ (الف) کسی مقصد کے لئے متحدہ گروہ۔۔۔
۹ (ذہنی تحریک، اضطرار (۹)

Movement : ۱۔حرکت، نقل، جنبش ۲ مشین کے متحرک پرزے
۳۔ذہنی تحرک یا حرکت۔۔۔مخصوص رجحان۔خاص جذبہ (۱۰)

تحریک: ۱۔حرکت دنیا۔ ۲۔رغبت دلانا، ترغیب دینا
۳۔ورغلانا، بہکانا، ابھارنا
۴۔کسی بات کو چھیڑنا یا شروع کرنا
۵۔برانگیختگی ۶۔کوشش، سعی (۱۱)

تحریک: (ع۔مونث) ۱۔متحرک کرنا، ہلانا، حرکت جنبش
۲۔تجویز، کسی بات کو چھیڑنا یا شروع کرنا
اشتعال، ترغیب، برانگیختگی (۱۲)

تحریک: حرکت دینا ساکن کو متحرک کرنا۔رغبت دلانا
اشتعال۔بات کی چھیڑ یا شروع (۱۳)

تحریک: حرکت دینا، ہلانا، حرکت، جنبش، تجویز، مشتعل
ترغیب، برانگیختگی (۱۴)

Movement:...........a group of people [c+sing/p/v] a group of people who share the same ideas or aims: The women's/peace movement o the romantic movement (=for example in literature) o a mass movement for change.

4. Person's activities movement [P1] a person's activities over a period of time, especially as watched by sbelse:(15)

ازم Trend اور تحریک کے فرق کو جاننے کے بعد راقمہ ایک حقیقت کو واضح کر دینا چاہتی ہے کہ مغربی یا یورپی ادب میں سامنے آنے والی تحریکوں اور رجحانات کے برعکس ہمارے ہاں یعنی اردو ادب میں جو تحریکیں اور رجحانات رائج ہوئے ان کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دینا درست نہیں یعنی ہمارے ہاں Romaticism، Realism، Symbolism، Dudusim، Modernism، Existentialism، Impressionism وغیرہ رجحانات کے طور پر سامنے آئے ہیں جنہیں تحریک کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ بیسویں صدی میں ترقی پسند تحریک اور حلقہ ارباب ذواق کی تحریک کو پنجاب کی ادبی تحریکوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

دراصل ہم اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ہمارے اور مغربی ادب کے رجحانات اور تحریکوں کے مابین بعض اوقات پوری صدی کا فاصلہ آ جاتا ہے اور پھر مغرب کے ہی کئی رجحانات ایسے ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف ملکوں میں مختلف خصائص کے ساتھ سامنے آتے رہے اور کچھ کے بارے میں ابھی تک کسی واضح تصور یا خصائص کا تعین نہیں ہو سکا مثلاً Romaticism (رومانیت)۔

آج تک رومانیت کو ایک تحریک یا رجحان کہنے کا کوئی فیصلہ سامنے نہیں آیا۔ انگریزی ادب کے نامور ناقدین نے بھی اس کی خصوصیات اور ارتقائی سفر کا احاطہ تو کیا ہے لیکن اسے باقاعدہ ایک تحریک اس معنوی پس منظر میں نہیں کہا جس طرح ہمارے ہاں کہا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے Movement کا لفظ استعمال بھی کیا ہے تو وہ ''تحریک'' کے معنوں میں نہیں۔ ہمارے ہاں تحریک کا لفظ زبان پر آتے ہی ایک منظّم، مربوط نظریاتی و عملی کوشش اور حرکت کا مطلب سامنے آتا ہے جس کے خاص مقاصد اور منشور ہوتا ہے جب کہ رومانیت کے مقاصد تو ایک طرف اس کی خصوصیات کے بارے میں بھی مختلف آراء سامنے آتی ہیں۔

اردو ادب میں رومانیت ایک رجحان کے طور پر بیسویں صدی کے آغاز میں بھرپور طریقے سے نمایاں ہوا مگر اس صدی کی دوسری دہائی تک اپنا اثر کھو بیٹھا جس کی ایک بڑی وجہ ترقی پسند رجحان تھا جس نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔

رومانیت کے حوالے سے اب تک جتنی بحثیں سامنے آئی ہیں ان میں اس رجحان کی خصوصیات یا دوسرے لفظوں میں رومانیت کی خصوصیات اور اسلوب کو موضوع بنایا گیا ہے مثلاً ڈاکٹر محمد خان اشرف نے صفحہ نمبر ۱۰ سے ۴۱ (۱۶) تک اس کی وضاحت مختلف مغربی حوالوں کے ساتھ کی ہے۔ ڈاکٹر انور سدید (۱۷) اور ڈاکٹر محمد حسن (۱۸) نے بھی بالترتیب صفحہ نمبر ۸۵۔ ۹۹، ۱۵۔۲۳ تک اس کے خصائص ہی بیان کیے ہیں۔
ڈاکٹر محمد خان اشرف صفحہ نمبر ۲۷ پر لکھتے ہیں:

> ''رومانیت کے مباحث سے بچنے کے لیے بعض ناقدین اور مورخین اس کو ایک تحریک یا دبستان ماننے سے ہی انکار کر دیتے ہیں............ رومانیت محض ایک سیدھی سادی تحریک ہی نہیں تھی یہ تو ایک سہل ہمہ گیر ثابت ہوئے جس میں بہت سی تحریکیں شامل ہوتی گئیں............ رومانیت صرف ادبی تاریخ ہی کا واقعہ نہیں بلکہ یہ ایک سماجی، تہذیبی، تمدنی تحریک اور انقلاب......'' (۱۹)

جب کہ انھوں نے مغربی رومانیت کے حوالے سے جس قدر بحث کی ہے اور جتنے حوالے دیئے ہیں ان میں کہیں بھی رومانیت کو ایک تحریک نہیں کہا گیا لیکن ہمیں David Simpson کی طرح یہ کہنا پڑتا ہے۔

> "Romanticism has functioned as a period terms with somewhat different limits in different countries, and its use has led to a tradition of attempts at defining what it is, or what is most central to it." (20)

اسی لیے آج تک یہ کہنا مشکل ہے کہ رومانیت ایک تحریک تھی یا رجحان۔ نہ صرف ہمارے ہاں بلکہ مغربی ادب میں بھی اگر Romanticism کے لیے Movement کا لفظ استعمال کیا گیا تو عین ممکن ہے کہ یہ استعمال کسی اور پس منظر کے ساتھ کیا گیا ہو۔ راقمہ نے اس باب میں گذشتہ صفحات میں Movement کی تعریف درج کی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انگریزی زبان میں Movement کا لفظ کئی مفاہیم کو حاصل ہے اسے انفرادی حوالے سے بھی مگر ہمارے ہاں اس لفظ کا جو ترجمہ تحریک کے لفظ کو سامنے لا کر کیا گیا ہے اس کا ایک خاص پس منظر ہے جس کے لیے ہی ذہن میں ایک منظّم اور مربوط نظری و عملی کوشش اور حرکت کا مطلب سامنے آتا ہے جس کے خاص مقاصد ہوں چونکہ رومانیت کے مقاصد تو الگ بات ہے اس کی خصوصیات کے بارے میں ہی مختلف رائے دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس لفظ کے غیر معروضی اور غیر محتاط ترجمے کے تحت سامنے آنے والے لفظ تحریک نے اس رجحان کو ہمارے ہاں تحریک کا درجہ دے دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن (۲۱) نے ڈاکٹر انور سدید (۲۲) اور ڈاکٹر محمد خان اشرف (۲۳) نے رومانیت کو باقاعدہ ایک تحریک کہا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا بھی اس رجحان کو تحریک کا نام دیتے ہیں لیکن ان کے ہاں لفظ تحریک ان معنوں میں سامنے نہیں آتا جیسا کہ مذکورہ بالا ناقدین کے ہاں استعمال

ہوا ہے۔(۲۴)

راقمہ نے Romanticism کو ایک رجحان کے طور پر دیکھا ہے اور اس حوالے سے ہربرٹ ریڈ (Herbert Read) کی رائے سے اتفاق کیا ہے کہ رومانیت اٹھارہویں صدی کے آخر میں انگریزی ادب میں رونما ہونے والا رجحان ہے جس کو نو کلاسکیت کے مقلدانہ اسلوب کے خلاف بغاوت کہا جاتا ہے۔ یہ ۱۷۷۹ء (انقلاب فرانس) سے ۱۸۳۰ء تک یورپی ادب میں دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ ذہن کی ایک مستقل کیفیت کے طور پر اسے کسی بھی دور میں تلاش کیا جا سکتا ہے لیکن ادبی اصطلاح کے حوالے سے فن کار کی انفرادیت، رویے، فطرت سے تعلق اور انسان کے اپنی اصل میں معصوم ہونے کے تصورات نے جس نئے ادبی اسلوب کو رائج کیا اسے رومانیت کہا گیا۔(۲۵)

راجر فاؤلر (Roger Fowler) کی مرتبہ A Dictionary of Literacy Term میں لکھا ہے:

> A.O. Loverjoy's famous essay 'on the Discrimination of Romanticism' insists on the need for discrimination between the meanings of the term at various times and in various countries... Rene Wellek and Northrop Frye, have argued that Romanticism is not essentially an idea but 'an historic centre of gravity' which falls somewhere around the 1790 - 1830 period'... M.H Abrams has provided on indispensable account of the origion and development of romantic theories of perception and imagination in the 'Mirror and the Lamp' (1953).

گویا رومانیت اور اس کی خصوصیات اس کے نتائج وثمرات کے حوالے سے مغربی ادب میں بھی کوئی واضح تصور یا کوئی ایک یا کوئی حتمی فیصلہ اور رائے سامنے نہیں آتی۔ اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ Romanticism ایک رجحان ہے کوئی تحریک نہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ''تنقید کی اصطلاح میں زندگی کے حقائق سے متصادم ہونے کی روش کو کلاسیکی تحریک اور اپنی ذات میں سمٹ جانے کے رجحان کو رومانی تحریک کا نام دیا گیا ہے۔ رومانی تحریک ایک فطری تخلیقی ابال سے عبارت ہے اس کے زیر اثر فنکار زندگی کے میکانکی عمل کو بہ نظر تحقیر دیکھتا ہے ایک تند جذبے اور دروں بینی کے ایک شدید رجحان کے

تحت ماحول کی طرف سے آنکھیں میچ کر اور اجتہاد کے عمل میں مبتلا ہو کر ادب کی تخلیق کرتا چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف کلاسیکی تحریک کا فنکار تجربے پر روایت کی فوقیت کا قائل ہے اور خارجی زندگی کی تنظیم، قواعد وضوابط کے احترام اور قدروں کے تحفظ کو فرد کی ذات کی بہ نسبت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔'' (۲۶)

جب کہ سکاٹ جیمز کا کہنا ہے:

"... from the viewpoint of the discursive eighteen century, lies the period of noise, stir, conflict, upheaval, with which the modern epoch begins. The old landmarks were to be thrown clattering to the ground. In a few decads the appearance, through, sentiment and literature of the world were to be radically transformed. ... All that happened on one the other side of the dividing line has the flavour of the antique; all that happend on the otherside is viorating with modern thought curvents and modern words. To the old way of thought and expression belong Cornille, Pope, Addison and even Johnson - to the new, Lessing, Goethe, Coleridge, Wordsworth, and the Solitary Blake. In point of time, these groups overlap but in character they might be seperated by centuries. The first belong to the past, the second to the present..... Thus in the see-saw of the world movement the contending forces of classicism and Romanticism rose and feel. But it is already clear that the ancient classics and so-called classicism are not the same thing. Homer and Virgil do not lose their facination for those steeped in romanticism... In that sense, external beauty will always be the inalienable attribute of the classic and

through it is not absent in the romatic, the emphasis is altered.... The "classic" spirit, then, has its true character; and there are also the perversions of it. Its qualities, when aimed at by meaner minds become defects. And this is true also of the "romantic"; its brilliant qualities pass into the faults of the exaggerated. The grotesque, The sloppy. But these perversions of type, all the more because they are exaggerations, help us to see the deep-lying distinction between the "classical" and the "romantic" in art. By gaing book, not to the doctrines of ancients, but to their works, by endeavouring to relive these life and see the world as they saw it. Winckelmann rescued classicism from the pedants.. Winckelmann restored the Greek spirits to the Greek body... For Winckelmann the problem of art was the problem of form, resting upon the prime conception that the body is nothing without the spirit, and the spirit nothing without the body." (27)

سکاٹ جیمز کے مضمون میں بیان کردہ یہ تصورات اس بات کے غماز ہیں کہ کلاسیکیت اور رومانیت ایک دوسرے سے الگ ہو کر بھی الگ نہیں کیوں کہ اس حقیقت کا تو سب اعتراف کریں گے کہ اپنے زمانے کے بہترین رومان، کلاسیک کا درجہ رکھتے ہیں اور کئی کلاسیکس رومانیت کی بھرپور غمازی کرتے ہیں۔

زمانے کا چلن تو ہر آن بدلتا رہتا ہے اگر زمانوں اور صدیوں کی تبدیلیاں یا انقلابات پر نظر دوڑائی جائے تو ان کے تحت انسان کی سوچ اور رویے بلاشبہ بدلتے رہے ہیں لیکن یہ رویے ایک دوسرے کا ردِعمل ہو کر بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح جیسے ایک کل کے پرزے اپنی اپنی جگہ الگ الگ کام سرانجام دیتے ہیں مختلف طریقوں سے چلتے اور بنے ہوتے ہیں لیکن ہوتے تو ایک ہی کل کا حصہ ہیں لہٰذا انسانی رویے بھی اس کی کیفیات کی طرح تبدیلیوں سے دوچار ہونے کے باوجود ایک ہی دوڑ سے منسلک ہوتے ہیں۔ البتہ ان کی پہچان کے لیے ہم انہیں Romanticism یا Classicism کا نام دے سکتے ہیں۔ مغربی ادب کیا ہماری ادبی تاریخ اس حقیقت کی داعی ہے۔

فرینک کرموڈی (Frank Kermode)، جان ہالینڈ (John Holland) اس کے حوالے سے لکھتے

ہیں:

> "Romanticism resists its definers, who can fix neither its characterstics not its dates. It is a broad movement in the history of European (and American) consciousness, but whether it represented a genuine change in conciousness we still cannot know... Romanticism still prevails today, for all the modernist rebellions against it, so it may be that Romanticism is only a very late phase of the Enlightment against which it vainly rebelled." (28)

یہی وجہ ہے کہ شعوری تحریک ہوتے ہوئے بھی Romanticism کو آج بھی سمجھا نہیں جا سکا۔ دراصل شعوری طور پر وجود میں آنے والا یہ عمل لاشعور یہاں تک کہ ایک فرد کی انفرادیت کے ساتھ ساتھ اس کی اجتماعیت پر بھی حکمرانی کرتا ہے۔ اس لیے ذہنی ہو یا قلبی ہر تحریک کے ساتھ اس کا رشتہ جڑ جاتا ہے۔

پروفیسر ایلٹن تو اسے Thought confounding word کہتے ہیں (۲۹) راقمہ کے نزدیک نہ صرف Thought confounding word ہے بلکہ ہمارے رویوں، ہمارے احساسات، عوامل نفسیات، تہذیب، اجتماعی شعور و لاشعور کا لازمی عنصر ہے۔

رومانیت کے حوالے سے گریرسن نے اسے ایک Revolutionary Movement اور Sentimental Revival کہا ہے۔ راقمہ نے گذشتہ صفحات میں جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ Romanticism ایک ردعمل ہے ایک تبدیلی ہے اس ردعمل اور تبدیلی کو فرد اور معاشرے کی کل کے ایک اہم پرزے کی مانند فراموش نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ فرد یا معاشرے کی زندگی اس کے بغیر بے رنگ ہے لہٰذا یہ انقلاب یا ردعمل اہمیت کا حامل ہے مگر بالخصوص ہمارے ہاں اسے ایک تحریک نہیں کہا جا سکتا۔

گریرسن کا کہنا ہے:

> "Romanticism is a reactionary movement dating from the Restoration of the Bourbons, a sentimental revival of Mediaeval Catholicism." (30)

الغرض مغربی ناقدین کی تحریریں بھی اس حقیقت کو سامنے لاتی ہیں کہ رومانیت کے رجحان مختلف ملکوں میں مختلف ادوار میں مختلف خصوصیات کا حامل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اس کی خصوصیات کی بات ہوتی ہے تو مختلف نظریات سامنے آتے ہیں۔ اس لیے ایک ردعمل کے طور پر یہ رجحان بلا شبہ اہمیت کا حامل ہے لیکن اسے ایک منظم

اور با قاعدہ تحریک سے تعبیر کرنا راقمہ کے نزدیک درست نہیں۔

اگر مغربی ادب میں اسے ایک تحریک کی حیثیت سے دیکھا جاتا رہا ہے اور ہم اسے مغربی ادب میں ایک تحریک کا درجہ دیتے بھی ہیں لیکن جہاں تک ہمارے، اردو ادب کا تعلق ہے تو بیسویں صدی کے اوائل میں سامنے آنے والا یہ رجحان بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس رجحان کی بھرپور اور شدید پیروی تحریک کے درجہ تک نہیں پہنچتی۔ اگرچہ اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں لیکن اسے ان معنوں میں تحریک نہیں کہا جا سکتا جس معنوں میں ترقی پسند ادب کی تحریک یا حلقہ ارباب ذوق کی تحریک سامنے آتی ہے۔ دراصل ہمارے ہاں مغرب کی تقلید لاشعوری طور پر کامیابی کی ضمانت سمجھی جاتی ہے۔ مغربی تہذیب اور ادب کے اثرات لاشعوری اور غیر محسوس طور پر ہمارے قلوب اور اذہان میں سرایت کر جاتے ہیں اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی ہماری زبان اور قلم ہمارے رویے ہمارا کردار ہمارا ذہن وہ سب کہنے اور کرنے لگتا ہے جو مغرب کا قوی دیو ہم سے کرواتا ہے مرعوبیت کا اثر ہے کہ ہم اپنے ہاں ان رویوں اور رجحانات کو دیکھ کر ان کی نشوونما کر کے خوش ہوتے ہیں جو مغرب کے زیر اثر جنم لیتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو رومان وہ فطری احساس ہے جو ہر ذی روح میں موجود ہوتا ہے اور اشرف المخلوقات، انسان، ابن آدم کو اس سے ذرہ برابر مفر نہیں یہاں تک کہ اس کے بغیر اس کی زندگی ہی بے کیف اور بے معنی ہو جاتی ہے۔ رومان کے معانی سے مجھے یہاں قطعاً بحث نہیں میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ رومان یا رومانیت ایسی انفرادی رجحان ہے جو کسی منشور یا مقاصد کیا کسی تنظیم کے بغیر روبہ عمل ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ ارگرد کی دنیا کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے یہ ایسا احساس ہے جو کسی بھی دور میں کسی بھی عمر میں کسی بھی خطے میں کسی بھی لمحہ میں جنم لیتا اور پھل پھول سکتا ہے اور اس کے ثمرات لافانی ہیں۔

حوالے:

(۱) ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۰۱ء، ص۴۲

(2) ***Kalimuddin Ahmad English Urdu Dictionary***, Delhi: Bureau for promotion of Urdu Deptt. of Education, Minitry of Human Resources Development, Govt. of India, 1995, P.368

(3) Shanul Haq Haqi, ***Oxford English Urdu dictionary***, Karachi: Oxford University Press 7th Edition, 2009, P.846

(4) www.yourdictionary.com

(5) Oxford AD Leurn'rs Dictionary

(۶) مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات اُردو جامع، لاہور: فیروز سنز، طبع ششم، ۱۹۷۸ء، ص۶۷۲

(7) ***Shan ul Haq Haqi Oxford Urdu English Dictionary***, P.1877

(8) *Oxford Advanced Leurners Dictionary*, P.1637

(9) *Oxford English Urdu Dictionary*, P.1047

(10) *Kalimuddin Ahmad, English Urdu Dictonary*, P.918

(۱۱) احمد دہلوی سید، فرہنگ آصفیہ، ج اول، لاہور: مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء، ص

(۱۲) عبدالحمید خواجہ، جامع اللغات، ج اول، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۹ء، ص ۶۲۳

(۱۳) نور اللغات اُردو، ج دوم، کراچی: جنرل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء، ص ۲۳۲

(۱۴) فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۸ء، ص ۳۱۲

(15) *Oxford Advanced Leurners Dictionary*, P.999

(۱۶) خان اشرف محمد، ڈاکٹر، رومانیت اور اُردو ادب میں رومانوی تحریک، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۔۱۴

(۱۷) انور سدید، ڈاکٹر، اُرد و ادب کی تحریکیں، ص ۸۵۔۹۹

(۱۸) حسن محمد، ڈاکٹر، اُردو ادب میں رومانوی تحریک، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۱۵۔۲۳

(۱۹) حسن محمد، ڈاکٹر، اُردو ادب میں رومانوی تحریک، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۹۳ء، ص ۲۷

(20) David Simpson, ***Romanticism, Criticism and theory*** in British Romanticism Edited by, Stuart Curran, Cambridge University Press, 1993, P.1

(۲۱) حسن محمد، ڈاکٹر، اُردو ادب میں رومانوی تحریک، ص ۲۳

(۲۲) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، ۹۷-۱۹۹۶ء، ص ۴۲۰

(۲۳) خان اشرف، ڈاکٹر، رومانیت اور اُردو ادب میں رومانوی تحریک، ص ۱۷۸

(24) Roger Fowler. ***A Dictionary of Literary Terms***

(۲۵) بحوالہ سہیل احمد خان، منتخب ادبی اصطلاحات، لاہور: جی سی یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۶۹

(۲۶) وزیر آغا، ڈاکٹر، ''نظم میں سمبلزم کی تحریک'' مشمولہ: تنقید اور احتساب، لاہور: جدید ناشرین، ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۲

(27) R.A Scott James. "Classic and Romantic" in ***The making of Literature***, London: Secker + Wrbery Ltd. Reprinted, 1962, P.160-173

(28) Frank Kermode, John Hollander, ***The Oxford Anthology of Enlgish Literature***, London: Oxford University Press, 1973, P.3

(29) H.J.C Grierson, ***The Background of English Literature Essay***, "Classical and Romantic" P.256

(30) H.J.C Grierson, "Classical and Romantic", in ***The Background of English Literature***, London: Chotto and Windus, 1925 P.257

◁▷